ISSN Online : 2709-4030
ISSN Print : 2709-4022
Vol.7 No.3 2023

وحی کے آغاز کی روایت: مختلف اعتراضات کا تجزیہ

محمد عمر
پی ایچ ڈی اسکالر
ادارہ علوم اسلامیہ، پنجاب یونیورسٹی، لاہور

Abstract: *This paper provides a comprehensive analysis of the objections surrounding the tradition of the beginning of revelation in Islam. The commencement of divine revelation to Prophet Muhammad (PBUH) is a foundational event in Islamic history, but various criticisms and alternative interpretations have emerged over time. This study examines the key objections raised against the traditional accounts of the beginning of revelation, including issues related to historical accuracy, textual consistency, and the context of the revelations. By evaluating classical and contemporary scholarly critiques, the paper aims to clarify the basis of these objections and assess their impact on the understanding of early Islamic history. The analysis seeks to provide a balanced perspective on the tradition of revelation, addressing both historical and theological concerns while contributing to the broader discourse on the authenticity and interpretation of early Islamic narratives. This paper offers an in-depth analysis of the objections to the tradition concerning the beginning of revelation in Islam. The inception of divine revelation to Prophet Muhammad (PBUH) is a critical moment in Islamic history, marking the start of the prophetic mission. Despite its centrality, this tradition has faced scrutiny and various alternative interpretations. This study investigates major criticisms directed at the traditional narratives of the beginning of revelation, focusing on concerns related to historical accuracy, textual coherence, and the contextual backdrop of the revelations. By critically evaluating both classical and modern scholarly debates, the paper seeks to elucidate the foundation of these objections and their implications for the historical and theological understanding of early Islam. The goal is to provide a nuanced perspective on the tradition of revelation, addressing scholarly critiques and contributing to the ongoing discourse about the authenticity and interpretation of early Islamic events.*

Keywords: Beginning of revelation, Islamic tradition, Objections, Prophet Muhammad, Historical accuracy, Textual consistency, Early Islamic history, Scholarly critique, Revelation context, Theological concerns.

علامہ تمنا عمادی لکھتے ہیں:

مذکورہ بالا روایات کو سامنے رکھئے تو بادنی تامل متعدد سوالات ذہن میں پیدا ہوتے ہیں۔ اس سے سے سر فراز قطع نظر کہ کیا واقعی نبوت سے پہلے رسول اللہ نے غار حرا میں تحنث کرنا شروع کر دیا تھا۔ غار حرا دیا تھا۔ حضرت جبرئیل علیہ السلام کو دیکھ کر اور نزول وحی سے اس قدر متوحش اور خوفزدہ ہو جاتا ہے۔ اور منصب نبوت ورس و رسالت کو آپ کا کچھ نہ سمجھنا، بلکہ خلعت نبوت و تشریف رسالت سے۔ ہونے کے بعد اپنی جان کو خطرے میں سمجھنا، بلکہ اپنے کو شاعر یا مجنوں سمجھنا، اور دوسروں کی طعنہ زنی کی وجہ سے اپنے کو ہلاک کر ڈالنے کا ارادہ کرنا، ایک ایسی عجیب و غریب بات ہے، جس کو بادہ روایت پرستی کی سرشاری ہی میں لوگ قبول کر سکتے ہیں۔ ورنہ کسی انسان کی عقل سلیم ان باتوں کو کبھی تسلیم نہیں کر سکتی کہ چالیس سال ایک افصح العرب والعجم جو منصب نبوت و رسالت کے لیے منجانب اللہ منتخب ہو رہا ہو۔ وہ اتنا بھولا بھالا ہو کہ جن باتوں کو سن کر ایک عورت ذات سمجھ لیتی ہے۔ ان باتوں کو سمجھانے کے بعد بھی وہ نہیں سمجھتا۔ اور اتنے بڑے جلیل القدر منصب کو وہ اپنے لیے ایک مصیبت سمجھ لیتا ہے۔ یہاں تک کہ اپنے کو شاعر یا مجنوں سمجھ کر خیال کرتا ہے کہ اگر دوسرے لوگ میرے ان حالات کو سن لیں گے تو مجھ کو شاعر یا مجنوں کہنے لگیں گے ما قبل اس کے کہ لوگوں کو میرے حالات کا علم ہو۔ اور لوگ مجھ کو شاعر یا مجنوں کہیں بہتر ہے کہ میں اپنے کو پہاڑ کی چوٹی سے گرا کر ہلاک کر دوں۔

ISSN Online : 2709-4030
ISSN Print : 2709-4022
Vol.7 No.3 2023

غور کرنے کا مقام ہے کہ جب خود نبی مرسل کو منصب نبوت و رسالت پانے کے بعد اپنے پر شاعر یا مجنوں ہونے کا گمان ہونے لگتا ہے۔ تو اگر اس کی باتیں سن کر دوسروں نے اس کو شاعر اور مجنوں کہا، تو وہ کس طرح قابل الزام ہو سکتے ہیں۔[1]

آگے تحریر کرتے ہیں: حقیقت یہ ہے کہ ان روایتوں میں ورقہ بن نوفل کا واقعہ اور رسول اللہ کا "زملونی زملونی" کہتے ہوئے غار حرا سے حضرت خدیجہ کے پاس آنے کا واقعہ اور حضرت خدیجہ کا آپ کی تسلی و تسکین کرنے کی داستان اور آپ کا اپنے کو پہاڑ کی چوٹی پر سے گرانے کا ارادہ یا اپنے کو شاعر یا مجنوں سمجھنے کا بہتان یہ ساری باتیں محض منافقین عجم کی ساختہ و پرداختہ ہیں۔ جس کی غرض عام لوگوں کو منصب نبوت و رسالت کے متعلق شبہات و شکوک میں مبتلا کرنے کے سوا اور کچھ نہیں۔[2]

مولانا جعفر شاہ پھلواری صاحب نے بھی اسی نوعیت کے اعتراضات کئے ہیں ان کی عبارت ملاحظہ کیجئے: اس پوری روایت وحی کو پڑھنے کے بعد یہ نتیجہ پیدا ہوتا ہے کہ نعوذ باللہ حضور کو جبریل کے آنے، بار بار معانقہ کرنے اور کلام وحی القا کرنے کے باوجود اپنے مقام نبوت اور منصب رسالت کا کوئی علم نہ ہو سکا۔ ان منصب عالی کا علم یا یقین حضور کو اس وقت ہوا جب انجیل کی ورق گردانی کرنے والے ورقہ نے حضور کو بتایا بعض عیسائی بحیرا راہب کی داستان لکھ کر یہ دعوی کیا کرتے ہیں کہ آنحضرت کے تمام کارناموں کا سرچشمہ بحرا راہب کی چند منٹ کی تعلیم تھی۔ تقریباً وہی انداز وہ اس روایت کی بنیاد پر اختیار کر سکتے ہیں کہ نعوذ باللہ حضور کو تو کوئی خبر بھی نہ تھی کہ میں کیا ہوں۔ یہ تو ایک نصرانی (ورقہ) کا کمال یا احسان تھا کہ اس کی رہنمائی سے حضور کو نبوت کی اطلاع ہو گئی بیرا اور آگے معاملہ چل پڑا۔[3]

تجزیہ و تحقیق

علامہ تمنا عمادی اور مولانا جعفر شاہ پھلداری وغیرہ کی مکمل تحریر پڑھنے کے بعد اندازہ ہوتا ہے کہ ان حضرات نے نبوت و رسالت کا ایک خود ساختہ تصور پہلے سے اپنے ذہن میں قائم کر لیا۔ اسی طرح اس دور سے متعلق اور نبی کریم ﷺ کی ذات اندیس سے متعلق کچھ مفروضے پہلے سے طے کر لیے ہیں پھر جب احادیث میں اپنے خود ساختہ تصورات و مفروضات کے خلاف بات نظر آئی تو اس حدیث کے راوی (جو کہ ان کی تحقیق کے مطابق امام زہری ہیں) کو مجروح ثابت کر کے حدیث کو غیر تعلیم قرار دے دیا۔

بنیادی طور پر ان حضرات نے حدیث بدء الوحی پر عقلی اعتراضات اٹھائے ہیں اور ان کے جوابات نہ پا کر محدث زہری کو مورد الزام ٹھہرایا ہے۔ ہم ان اعتراضات کے جوابات جمہور ائمہ و محدثین کی آراء تشریحات کی روشنی میں دیں گے۔ کیونکہ ان کا لبات کی صحیح وضاحت اور حدیث بدء الوحی کی درست تشریح سمجھنے کے بعد امام زہری پر اعتراض بھی برقرار نہ رہے گا۔

ہم اس بارے چند نکات کی وضاحت کریں گے

1. قبل از نبوت خلوت کی وجہ کیا تھی؟
2. ما انا بقاری کا صحیح مطلب کیا ہے؟
3. کیا نبی کریم ﷺ کا متوحش ہونا اور حضرت خدیجہ کا انہیں تسلی دینا کیا شان نبوت کے خلاف تھا؟

---

[1] تمنا عمادی، زہری اور طبری تصویر کا دوسرا رخ: (ص ۱۵۱)

[2] ایضا (ص ۱۵۳)

[3] ایضاً مضمون آغاز وحی کی روایت از مولانا جعفر شاہ پھلواری: (ص ۱۵۷)

ISSN Online : 2709-4030
ISSN Print : 2709-4022
Vol.7 No.3 2023

4. ورقہ بن نوفل سے ملاقات کا صحیح پس منظر کیا تھا؟ نبی کریم ﷺ کا اپنے آپ کو پہاڑ سے گرا دینے یا ہلاک کر دینے کی بات کا صحیح حمل و مطلب کیا ہے؟

خلوت و عبادت کی بحث

خلوت کے فوائد:

خلوت کے مختلف فوائد علماء نے ذکر فرماتے ہیں:

- ایک فائدہ تو اس میں یہ ہے کہ آدمی فارغ القلب ہو جاتا ہے۔
- دوسرے ذکر میں سہولت پیدا ہوتی ہے۔
- تیسرے بہت سے منکرات سے بچاؤ ہوتا ہے۔
- چوتھے تنہائی میں بیٹھنے سے قلب میں خشوع پیدا ہوتا ہے، آدمی جب تنہا ہوتا ہے تو اس کو اپنی پوری حقیقت نظر آتی ہے اور اپنی بے چارگی اور کم مائیگی کا استحضار ہوتا ہے۔
- پانچواں فائدہ یہ ہے کہ مالوفات و مرغوبات بشریہ سے انقطاع ہو جاتا ہے۔

خلوت کی محبوبیت کی وجہ:

ان تمام فوائد کے پیش نظر کہ طبیعت میں سکون ہو، غور و فکر اور تدبر میں سہولت ہو، دنیا اور علائق دنیا سے لاتعلقی ہو۔ حضور اکرم ﷺ کے دل میں خلوت نشینی کی محبت پیدا کی گئی۔

ایک وجہ یہ وجہ یہ بھی ہو سکتی ہے کہ چونکہ آپ ﷺ نبوت اور وحی سے سے مشرف ہونے والے تھے، اور وحی مکمل یکسوئی اور جمع خاطر چاہتی ہے اس لیے آپ کے دل میں خلوت کی محبت پیدا کی گئی تا کہ وحی کے ساتھ مناسبت قائم ہو، کیونکہ خلوت سے یکسوئی مکمل طور پر حاصل ہوتی ہے۔

خلوت کے لیے غار حراء کے انتخاب کی وجہ:

یہ سوال کہ خلوت کے لیے آپ نے غار حرا کا انتخاب کیوں فرمایا؟

ISSN Online : 2709-4030
ISSN Print : 2709-4022
Vol.7 No.3 2023

حافظ ابن حجر نے فتح الباری میں اس کا جواب یہ دیا ہے کہ بظاہر اس خلوت کا ماخذ بقایا شرائع ابراہیم ہیں، مطلب یہ ہے کہ حضرت ابراہیم علیہ السلام کی شریعت کے بعض احکام اپنی اصل صورت پر محفوظ رہ گئے تھے ان ہی میں سے خلوت نشینی بھی تھی، نبی اکرم ﷺ نے اس لیے خلوت اختیار کی تھی اور آنحضرت ﷺ سے پہلے آپ کے دادا غار حرا میں خلوت کرتے تھے جب نبی کریم کا دور آیا تو آپ نے اپنے دادا کی جگہ لی اور وہاں خلوت کرنے لگے، آپ کے قبیلہ والوں نے آپ سے کوئی تعرض نہیں کیا اس لیے کہ سب کے دل میں آپ کی قدر و منزلت تھی۔[4]

ابن ابی جمرہ رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں کہ آپ نے خلوت کے لیے غار حرا کا اس لیے انتخاب فرمایا کیونکہ وہاں سے بیت اللہ شریف سامنے نظر آتا ہے، تو وہاں بیٹھ کر تین عبادتیں حاصل ہوتی ہیں ایک خلوت، دوسرے تعبد اور تیسرے بیت اللہ شریف کی زیارت۔[5]

خلاصہ یہ کہ چونکہ خلوت نشینی انبیائے سابقین اور پھر آپ کے دادا کے معمولات میں سے تھی پھر غار حرا کا محل وقوع ایسا تھا کہ نہ بہت قریب کہ آبادی اور اس کی گہما گہمی کی وجہ سے تشویش ہو اور نہ بہت دور کہ وہاں پہنچنا مشکل ہو۔ پھر خلوت کے دیگر فوائد کے علاوہ وہاں آپ آرام سے عبادت کے ساتھ ساتھ بیت اللہ کی زیارت بھی کر سکتے تھے اس لیے آپ نے اس غار کا انتخاب فرمایا۔

"تحنث" کی تشریح:

"حنث" کے معنی گناہ اور نافرمانی کے آتے ہیں، اور باب تفعل کا ایک خاصہ ہے سلب ماخذ، گویا "تحنث" کے معنی ہوئے ازالہ حنث کے۔ چونکہ ازالہ حنث یا گناہ کا نہ کرنا ایک اعتبار سے طاعت اور عبادت میں داخل ہے، اس لیے تحنث کی لازمی تفسیر "تعبد سے کر دی گئی۔

"وھو التعبد" کا ادراج کس نے کیا ہے؟

یہاں "تحنث" جو تفسیر "تعبد" سے کی گئی ہے اس بارے میں تقریباً سب کا اتفاق ہے کہ یہ مدرج ہے۔ لیکن ادراج کس کا ہے؟ اس سلسلے میں علامہ طیبیؒ تو تو جزم کے ساتھ فرماتے ہیں کہ یہ امام زہری کا ادراج ہے۔[6] لیکن حافظ ابن حجر فرماتے ہیں کہ علامہ طیبیؒ نے اپنے جزم پر کوئی دلیل پیش نہیں کی۔[7] البتہ یہ ہو سکتا ہے کہ حضرت عروہ یا ان سے نیچے کسی راوی نے اس کی یہ تفسیر کی ہو۔[8]

---

[4] ابن حجر، فتح الباری، کتاب التعبیر، باب اول مابدی بہ رسول اللہ من الوحی الرویا الصالح (۱/۳۵۵)

[5] ایضاً حوالہ بالا۔

[6] الخطابی، اعلام الحدیث: (۱/۱۲۸)

[7] ابن حجر، فتح الباری (:۱/۲۳)

[8] ابن ہشام، سیرۃ ابن ہشام: (۱/۱۵۳)

ISSN Online : 2709-4030
ISSN Print : 2709-4022
Vol.7 No.3 2023

لیکن حقیقت یہ ہے کہ حافظ ابن حجرؒ نے یہاں کوئی مستند بات نہیں فرمائی، جہاں تک طیبیؒ کے جزم کا تعلق ہے اس کی وجہ یہ ہے کہ امام زہری کی عموماً عادت یہ ہے کہ حدیث کے درمیان میں غریب الفاظ کی تشریح کرتے جاتے ہیں۔[9]

اسلام میں رہبانیت نہیں:

حدیث مبارکہ کے جملہ "قبل ان ینزع الی اھلہ "میں غور کریں تو معلوم ہو گا کہ حضور اکرم ﷺ کو جب رغبت ہوتی تھی تو اپنے گھر بار کی طرف لوٹ آتے تھے، مطلقاً تجرد اختیار نہیں کرتے تھے اس لیے کہ تجرد اور رہبانیت حکمت خداوندی کے بھی خلاف ہے اور فطرت انسانی کے بھی خلاف ہے۔

حکمت خداوندی کے خلاف اس لیے ہے کیونکہ رہبانیت میں تجرد اختیار کیا جاتا ہے اور جب تجرد اختیار کیا جائے گا تو اس عالم کی بقا نہیں ہو گی اس لیے کہ عالم کی بقا نسل انسانی سے ہے، تجرد اختیار کرنے سے نسل کشی ہوتی ہے اور نسل منقطع ہو جاتی ہے، اس لیے تجرد اختیار کر کے عالم کی بقا کا تصور نہیں ہو سکتا۔ اور فطرت انسانی کے خلاف اس لیے ہے کیونکہ اللہ تعالی نے انسانوں کے اندر کچھ جذبات پیدا کئے ہیں، کچھ قوتیں ودیعت فرمائی ہیں اگر ان قوتوں اور جذبات کو صحیح مقام پر صرف نہیں کیا جائے گا تو وہ باعث فساد اور موجب تباہی خسران ہوں گے۔

چونکہ حضور اکرم ﷺ کامل حکیم اور صاحب فطرت سلیم تھے اس لیے رہبانیت نہ خود اختیار فرمائی اور نہ ہی امت کے لیے اس کو مشروع فرمایا۔[10]

(۲) نبی کریم ﷺ کے قول ما انا بقاری کا صحیح مطلب:

معترضین نے حدیث کے اس جملے پر بھی اعتراض کیا ہے کہ یہ کیسے ممکن ہے کہ رسول کریم کو اپنے رسول ہونے کا علم نہ ہو اور جبرئیل امین کے فرمان "اقراء" کے جواب میں نبی کریم ﷺ نے "ما أنا بقاری" کیوں فرمایا تھا اور اس بات کو انہوں نے امام زہری پر اعتراض کی بنیاد بنایا ہے، جب کہ یہ اعتراض جمہور محدثین وشارحین حدیث کے کلام سے صرف نظر کرنے کی وجہ سے پیدا ہوا ہے کیونکہ یہ کلام ہمیں محض امام زہری کی روایات میں ہی نہیں بلکہ دیگر ائمہ محدثین وسیرت نگاروں کے ہاں بھی ملتا ہے۔ ہم دیکھتے ہیں کہ جمہور حدیث اس مکالمے کی کیسے تشریح کرتے ہیں۔

محدثین نے یہ سوال اٹھایا ہے کہ آنحضرت ﷺ امی تھے، آپ کو پڑھنے کا حکم کیوں دیا گیا، یہ تو تکلیف مالایطاق ہے؟

---

[9] طیبی، الکاشف عن حقائق السنن: (۱۱/۴۹) باب المبحث وبدء الوحی

[10] ابن حجر، حافظ، فتح الباری: (۱/۲۳)

ISSN Online : 2709-4030
ISSN Print : 2709-4022
Vol.7 No.3 2023

اس کا جواب یہ دیا گیا ہے کہ یہاں "اقرا" سے امر تکلیفی مراد نہیں بلکہ امر تلقینی مقصود ہے ۔[11]

جس طرح طالب علم سے استاذ کہتا ہے: پڑھو اور مقصد یہ ہوتا ہے کہ جس طرح میں کہتا ہوں اس طرح پڑھتے جاؤ، یہاں بھی بلا تشبیہ حضرت جبریل علیہ السلام کا مقصد یہ ہے کہ جس طرح میں تلقین کرتا ہوں اس طرح پڑھیے، گویا قرآت کا حکم نہیں بلکہ تعلم قرآت کا امر ہے۔ لیکن حضور ﷺ نے ظاہر الفاظ سے خیال فرمایا کہ قرآت کا حکم کیا جارہا ہے اس لئے جواباً آپ ﷺ نے ارشاد فرمایا کہ "مااانا بقاری" فرمایا۔[12]

علامہ بلقینی رحمہ اللہ فرماتے ہیں کہ سارا قصہ اس بات پر دلالت کررہا ہے کہ مقصود اس لفظ کا پڑھنا تھا جو حضرت جبریل علیہ السلام کہہ رہے تھے، اب اس کو یوں بھی کہہ سکتے تھے "قل اقرا... لیکن اس میں یہ خطرہ تھا کہ کہیں آنحضرت ﷺ یہ نہ سمجھ بیٹھیں کہ فل" بھی کلام مقصود میں داخل ہے اور اس کی بھی قراءت مطلوب ہے۔[13]

حافظ ابن حجر رحمہ اللہ فرماتے ہیں کہ "قل" نہ کہنے کی وجہ یہ بھی ہوسکتی ہے کہ پھر ابہام نہ رہتا، اور غط وارسال کی نوبت ہی نہ آتی، وہ تو فوائد وحکم حاصل نہ ہوتے جو غط وارسال میں مضمر تھے۔[14]

نبی کریم ﷺ کے قول "ما أنا بقاری" کا ترجمہ میں پڑھا ہوا نہیں ہوں" بھی کیا جاسکتا ہے اور میں پڑھ نہیں سکتا بھی ترجمہ ہوسکتا ہے۔ دوسرا ترجمہ پہلے ترجمہ کے مقابلہ میں بہتر ہے۔

اس کی وجہ یہ ہے کہ حضور اکرم افصح العرب والعجم ہیں آپ کی فصاحت وبلاغت اعلی درجہ کی ہے، اس لیے یہ بات عجیب سی معلوم ہوتی ہے کہ جبریل امین چند کلمات آپ سے کہلوانا چاہ رہے ہوں اور آپ یہ فرمائیں کہ میں پڑھا ہوا نہیں ہوں، ان چند کلمات کو کہنے کے لیے پڑھا ہوا ہونا کوئی ضروری نہیں۔ خصوصاً جبکہ آپ اعلیٰ درجہ کے فصیح ہیں، فصاحت میں آپ کی کوئی نظیر نہیں، ان کلمات کو آپ بآسانی ادا کرسکتے تھے، لہذا یہ کہنا چاہیے کہ حضور اکرم ﷺ نے فرمایا میں پڑھ نہیں سکتا۔ پھر آپ کے نہ پڑھ سکنے کی وجہ یہ تھی کہ آپ غار حرا میں تنہا عبادت کررہے تھے کہ اچانک فرشتہ کی آمد ہوئی اور آپ ﷺ سے "اقرا" کا مطالبہ ہورہا ہے، ان حالات کی وجہ سے آپ متاثر ہوئے، دوسری طرف خود وحی کی عظمت کا بوجھ بھی تھا، ان وجوہات کی بنا پر آپ نے فرمایا کہ میں پڑھ نہیں سکتا۔ یہ ایسا ہی ہے جیسے ہم عام طور پر دیکھتے ہیں کہ کوئی طالب علم بہت تیز ہوتا ہے لیکن کسی بڑے استاذ کے سامنے جب امتحان دینے بیٹھتا ہے تو اتنا مرعوب ہوجاتا ہے کہ اس کی آواز ہی نہیں نکلتی۔ ایسی ہی کیفیت بشریت حضور اکرم ﷺ پر طاری ہوئی اور اس کی بناء پر آپ نے فرمایا کہ میری زبان نہیں چلتی، میں پڑھ نہیں سکتا۔[15]

---

[11] ابن حجر، حافظ، فتح الباری:(۸/۷۱۷)

[12] سلیم اللہ خان، شیخ الحدیث، کشف الباری شرح صحیح بخاری :(۱/۳۴۲)

[13] سلیم اللہ خان، شیخ الحدیث، کشف الباری شرح صحیح بخاری :(۱/۳۴۲)

[14] ابن حجر، فتح الباری، کتاب التفسیر:(۸/۷۱۷)

[15] سلیم اللہ خان، کشف الباری، باب بدء الوحی:(۱/۳۴۷)

ISSN Online : 2709-4030
ISSN Print : 2709-4022
Vol.7 No.3 2023

غط وار سال اور اس میں تکرار کی حکمتیں:

حافظ ابن حجرؒ نے فتح الباری میں غط وار سال کی چند حکمتیں ذکر کی ہیں:

1. ایک حکمت یہ نبی پاک ﷺ دنیا کے خیالات سے خالی ہو جائیں، ادھر سے آپ کا قلب پھر جائے۔
2. دوسری حکمت یہ تھی کہ آپ کو اس بات پر تنبیہ کی گئی ہے کہ آپ ﷺ پر بڑی بھاری ذمہ داری ڈالی جائے گی اور قول ثقیل نازل کیا جائے گا۔
3. تیسری حکمت یہ ہے کہ یہ معلوم کرنا تھا کہ آیا دبانے کے بعد آپ ﷺ اپنی طرف سے کچھ پڑھتے ہیں یا نہیں؟ معلوم ہوا کہ آپ ﷺ اپنی طرف سے کچھ نہیں پڑھ سکتے، تو آپ لائق اعتماد ہیں اگرچہ یہ عند اللہ علم تھا لیکن آنحضرت ﷺ کو دبا کر خود آپ ﷺ کو دکھایا گیا کہ آپ ﷺ معتمد ہیں اپنی طرف سے کچھ کہہ نہیں سکتے۔
4. چوتھی حکمت یہ ہے کہ آپ کو اس بات پر تنبیہ کرنی تھی کہ آپ ﷺ اگر از خود قراءت کرنا چاہیں تو یہ آپ کے بس کی بات نہیں ہے، اللہ ہی کے کرم سے قراءت پر آپ ﷺ کو قدرت ہو سکتی ہے۔
5. پانچویں حکمت یہ ہے کہ تاکہ آپ کو یہ بتادیا جائے کہ یہ جو کچھ آپ کو مشاہد ہو رہا ہے یہ وساوس و اوہام اور خیالات کی قبیل سے نہیں ہیں کیونکہ وساوس و اوہام میں بدن دبتا نہیں وہ تو خیالی صورت ہوتی ہے۔
6. چھٹی حکمت یہ ہے کہ یہ دبانا القاء نسبت کے لیے تھا۔[16]

بار بار دبانے کی بھی مختلف حکمتیں ہیں۔

1. علامہ قسطلانی رحمہ اللہ فرماتے ہیں کہ پہلی مرتبہ دبانے اور دبوچنے کا مقصد یہ تھا کہ آپ کا خیال تمام امور دنیویہ سے منقطع اور فارغ ہو جائے اور وہ وحی جو آپ کی طرف القاء کی جارہی ہے اس کی طرف آپ کی توجہ تام ہو جائے۔ ادوسری اور تیسری دفعہ اس کی تاکید اور مبالغہ کے لیے دبایا گیا تھا۔[17]
2. بعض حضرات نے کہا کہ آنحضرت ﷺ کو پہلی دفعہ جو دبایا گیا: "ليتخلى عن الدنيا، دوسرى دفعه دبايا گيا ليتفرغ لما يوحى اليه" اور تیسری دفعہ موانست یعنی وحی سے انس پیدا کرنے کے لیے دبایا گیا تھا۔[18]
3. بعض علماء نے فرمایا کہ دراصل ان غطات کے ذریعہ آنحضرت ﷺ کو تنبیہ کی گئی ہے اور اشارہ کیا گیا ہے ان ابتلاءات اور آزمائشوں کی طرف، جو آئندہ زندگی میں آپ کو پیش آنے والی تھیں۔

---

[16] ابن حجر، فتح الباری، کتاب التعبیر: (۸/۳۷۵)

[17] ایضا: (۱۲/۳۵۸)

[18] ابن ہشام، سیرۃ ابن ہشام مع الروض الانف: (۱/۱۵۳)

ISSN Online : 2709-4030
ISSN Print : 2709-4022
Vol.7 No.3 2023

چنانچہ پہلی مرتبہ دبا کر اس بات کی طرف اشارہ کیا کہ یہ نبوت کی ذمہ داری آپ کے کندھوں پر آئے گی تو لوگ آپ ﷺ کے مخالف ہو جائیں گے، اب تک تو آپ کو وہ الصادق الامین کہتے تھے، آپ کا احترام کرتے تھے اور آپ کے اخلاق کریمانہ سے متاثر تھے لیکن جب آپ نبوت کی ذمہ داری اٹھا کر ان کے پاس جائیں گے ان کی محبت عداوت میں تبدیل ہو جائے گی۔

دوسری مرتبہ کے دبانے میں اس بات کی طرف اشارہ تھا کہ صرف یہی نہیں ہو گا کہ ان کی محبت عداوت میں تبدیل ہو جائے اور وہ آپ کے مخالف ہو جائیں گے بلکہ آپ کو طرح طرح کی ایذائیں پہنچائیں گے، آپ کے راستہ پر کانٹے بچھائیں گے اور آپ کی عبادت میں خلل ڈالیں گے۔ اور تیسری مرتبہ دبانے میں اس طرف اشارہ تھا کہ وہ آپ کے قتل کی بھی سازش کریں گے، وہ آپ کی جان کے بھی درپے ہوں گے اور آپ کو بالآخر مکہ مکرمہ چھوڑنا پڑے گا۔ تو یہ تین مرتبہ کا دبانا ان مرحلہ وار مشکلات اور مسائل کی طرف اشارہ کرنے کے لیے تھا۔[19]

(۳) نبی کریم ﷺ کی پریشانی اور سیدہ خدیجہ کا تسلی دینا

حضور اکرم ﷺ کو خطرہ کس بات کا ہوا تھا، اس سلسلہ میں حافظ ابن حجر رحمہ اللہ نے بارہ اقوال نقل کیے ہیں: جن میں سے چند ایک یہ ہیں۔

1. آنحضرت ﷺ کو خوف ہوا کہ شدت رعب سے کہیں موت نہ واقع ہو جائے۔
2. نبوت کی گراں بار ذمہ داریوں کے تحمل سے عاجز ہو جانے کا خوف لاحق تھا۔
3. رعب کی وجہ سے فرشتہ کی طرف نظر کرنے سے عاجز آ گئے تھے، اس کا خوف تھا۔
4. ایک قول کے مطابق آپ علیہ السلام کو اس بات کا خوف لاحق تھا کہ قوم کی ایذاء رسانی پر آپ صبر نہیں کر سکیں گے۔
5. ایک قول یہ ہے کہ مفارقت وطن ضروری ہو جائے گی اس کا خوف لاحق ہو گیا تھا۔
6. ایک قول یہ ہے کہ آپ کو یہ خطرہ تھا کہ قوم آپ کی تکذیب کرے گی۔[20]

اس موقع پر اگر ہم قرآن کریم کی اس آیت کو سامنے رکھیں تو نبی کریم ﷺ کی کیفیت وحالات کا کچھ اندازہ اس آیت کیر وشنی میں کیا جا سکتا ہے۔ اللہ جل شانہ فرماتے ہیں:

إِنَّا عَرَضْنَا الْأَمَانَةَ عَلَى السَّمَوَاتِ وَالْأَرْضِ وَالْجِبَالِ فَأَبَيْنَ أَنْ يُحْمِلْنَهَا وَ اَشْفَقْنَ مِنْهَا وَحَمَلَهَا الْإِنْسَانُ إِنَّهُ كَانَ ظَلُومًا جَهُولًا (الاحزاب: ۷۲)۔[21]

ہم نے یہ امانت آسمانوں اور زمین اور پہاڑوں پر پیش کی تو انہوں نے اس کے اٹھانے سے انکار کر کیا اور اس سے ڈر گئے اور انسان نے اس کا بوجھ اٹھالیا۔ حقیقت یہ ہے کہ وہ بڑا ظالم اور نادان ہے۔

قاضی عیاض رحمہ اللہ نے خوف کی وجہ ذکر کرتے ہوئے دو احتمالات ذکر کیے ہیں:

---

19 سلیم اللہ خان، شیخ الحدیث، کشف الباری شرح صحیح بخاری، باب بدء الوحی :(۱/۳۴۹)

20

21 الاحزاب :(۷۲)

ISSN Online : 2709-4030
ISSN Print : 2709-4022
Vol.7 No.3 2023

ایک یہ کہ آپ کو اعباء نبوت کے حمل میں خوف ہوا کہ شاید میں اس ذمہ داری کو نبھانہ سکوں اور میری جان نکل جائے۔
دوسرا احتمال یہ بیان کیا کہ ہو سکتا ہے یہ بالکل ابتداء کا واقعہ ہو، فرشتہ کے آنے سے پہلے جو خواب نظر آنے لگے تھے، یا آواز سنائی دیتی تھی، یا روشنی نظر آتی تھی اس زمانے کا واقعہ ہو، اس وقت آپ کو خوف ہوا کہ ممکن ہے شیطان کی طرف سے ہو۔ لیکن جب فرشتہ کی آمد ہوئی اور رسالت سے مشرف ہوئے اس کے بعد کسی قسم کے شک کی گنجائش نہیں۔
علامہ نووی رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں کہ یہ دوسرا احتمال ضعیف ہے کیونکہ حدیث میں تصریح ہے کہ خوف کا واقعہ فرشتہ کے آنے اور اقرأ کی آیات کے نزول کے بعد ہے۔[22]

طبعی خوف مقام نبوت کے منافی نہیں:

پھر جہاں تک بار نبوت کے تحمل کی وجہ سے بتقاضائے بشریت خوف طاری ہونے کا تعلق ہے سو وہ نبوت یا رسالت کے خلاف ہر گز نہیں ہے، قرآن کریم میں کتنے ہی واقعات ہیں کہ انبیائے کرام خوف محسوس کر رہے ہیں لیکن ان کو اپنی نبوت و رسالت کے حق ہونے پر کوئی شبہ نہیں۔ قرآن کریم میں حضرت ابراہیم علیہ السلام کا واقعہ مذکور ہے کہ فرشتے ان کے پاس مہمان بن کر آئے، انہوں نے جلدی سے ان کی مہمان نوازی کا اہتمام کیا:

فلما را أيديهم لا تصل اليه نكرهم و أو جس منهم خيفة ۔[23]

جب انہوں نے یہ دیکھا کہ مہمان کھانا نہیں کھا رہے ہیں تو ان کو ہی بات نئی اور اجنبی معلوم ہوئی نے یہ اور ان مہمانوں سے انہوں نے خوف محسوس کیا۔

اسی طرح حضرت موسیٰ علیہ السلام کا واقعہ قرآن مجید میں مذکور ہے کہ جادوگروں نے جب اپنی رسیاں اور لاٹھیاں ڈالیں تو ان رسیوں اور لاٹھیوں نے سانپ کی شکل اختیار کر لی یہاں موسیٰ علیہ السلام نے خوف محسوس کیا:

فاذا حبالهم و عصيهم يخيل اليه من سحرهم انها تسعى فاوجس في نفسه خيفةموسىٰ۔[24]

خلاصہ یہ کہ حضرت موسیٰ علیہ السلام کو خوف کا لاحق ہونا نبوت کے منافی نہیں، حضرت ابراہیم علیہ السلام کو خوف کا لاحق ہونا یہ بھی نبوت کے منافی نہیں، اسی طرح سرکار دوعالم ﷺ کو جو غار حرا میں واقعہ پیش آیا، نبوت کا بار گراں آپ پر ڈالا گیا، وحی خداوندی نازل ہوئی جس کے قول ثقیل ہونے کا خود اللہ تعالیٰ نے ذکر فرمایا، پھر نبوت کی ذمہ داری کی ادائیگی کے سلسلہ میں جو مشقتیں اور تکالیف پیش آنے والی تھیں وہ سب آپ کے سامنے تھیں ان تمام امور کی وجہ سے اگر آپ کے

سلیم اللہ خان، شیخ الحدیث، کشف الباری شرح صحیح بخاری، باب بدء الوحی :(۱/۳۵۱)

22

23 سورۃ ھود:(۷۰)

24 سورہ طٰہٰ:(۶۶)

ISSN Online : 2709-4030
ISSN Print : 2709-4022
Vol.7 No.3 2023

اندر گھبراہٹ پیدا ہوئی ہو تو یہ نہ تو نبوت کے منافی ہے اور نہ ہی اس کی کوئی نظیر تلاش کرنے کی ضرورت ہے کہ آیا دوسرے انبیاء کو بھی ابتدائے بعثت میں ایسے واقعات پیش آئے یا نہیں۔[25]

علامہ انور شاہ کشمیری کی رائے:

حضرت علامہ انور شاہ کشمیری رحمۃ اللہ علیہ نے اس مقام پر ایک نہایت نفیس بات فرمائی ہے، وہ فرماتے ہیں کہ:

> آنحضرت ﷺ کی روحانی تربیت حق تعالیٰ کی خصوصی شان ربوبیت کے تحت ہوئی ہے، کیونکہ آپ کو وحی متلو کے سب سے زیادہ عظیم المرتبت درجہ وحی سے نوازنا تھا، جو آپ کے اخص خصوص رجہ بنی الانبیاء اور مرتبہ خاتم انبین کے شایان شان تھی، مگر اس وحی عظیم کے لیے کتنی بڑی قوت برداشت کی ضرورت تھی اس کا اندازہ حدیث کے مذکورہ بالا جملوں سے بخوبی ہو سکتا ہے، اس لیے حیرت و استعجاب اس امر پر بالکل نہ ہونا چاہیے کہ آپ ایسے رسول اعظم کو ڈر، خوف، دہشت و گھبراہٹ کی صورت کیوں پیش آئی، بلکہ حیرت اور عظیم حیرت اس پر ہونی چاہیے کہ اس دنیا کے اندر رہ کر اور باوجود تمام بشری تقاضوں کے بھی کیونکر ایک بشر نے اس وحی اعظم کے نزول اجلال کا بوجھ برداشت کر لیا، جس کو بتصریح قرآن مجید ہی اگر کسی پہاڑ پر اتار دیا جاتا تو وہ خوف و خشیت خداوندی کے باعث ٹوٹ پھوٹ کر ریزہ ریزہ ہو جاتا۔۔۔

پھر فرماتے ہیں:

> اس موقعہ پر جو بعض حضرات نے آپ کے خوف و دہشت وغیرہ کو عام ضعف انسانی و بشری کے سبب بتلایا ہے، یا اس کا اظہار بطور سیاست جائز سمجھا، اس کو ہم آپ کے عظیم مرتبہ رسالت کے شایان نہیں دیکھتے۔ واللہ اعلم جن لوگوں نے اس حالت کو تردد فی النبوۃ سمجھا، وہ تو انبیاء علیہم السلام کے ایمان و یقین کے مافی مدارج عالیہ اور علم و کمالات نبوت سے بالکل ہی ناواقف ہیں۔[26]

(۴) ورقہ بن نوفل سے ملاقات کا صحیح محمل:

پھر ورقہ کی تصدیق سے حضرت خدیجہ رضی اللہ عنہا نے جن باتوں کی بشارت دی تھی اس کے ساتھ ساتھ ایک فائدہ یہ بھی حاصل ہوا کہ حضور اکرم ﷺ کو یہ خصوصیت حاصل ہوئی کہ آپ ﷺ کے دعوت پیش کرنے سے قبل ہی ایک اہل کتاب کا عالم آپ ﷺ کی تصدیق کر رہا ہے، عام طور پر یوں ہوتا ہے کہ انبیائے کرام پہلے دعوت پیش کرتے ہیں پھر اس کے بعد مصدق بنتے ہیں لیکن حضور اکرم ﷺ نے ابھی اپنی دعوت پیش نہیں کی کہ آپ ﷺ کی تصدیق کر دی گئی۔

---

[25] سلیم اللہ خان، شیخ الحدیث، کشف الباری شرح صحیح بخاری، باب بدء الوحی :(۱/ ۳۹۲)

[26] کشمیری، علامہ انور شاہ، انوار الباری:(۱/ ۴۹)

ISSN Online : 2709-4030
ISSN Print : 2709-4022
Vol.7 No.3 2023

علاوہ ازیں اس سے ایک فائدہ یہ بھی ہوا کہ جب ورقہ نے آپ ﷺ کی تصدیق کی اور نصرت کا وعدہ کیا تو آپ ﷺ کے اعلان نبوت سے پہلے ہی لوگوں میں آپ کی نبوت کی شہرت ہو گئی کہ آپ ﷺ کے اوپر وحی نازل ہوئی ہے اور یہ کہ ورقہ بن نوفل نے جو اہل کتاب کے بڑے عالم ہیں، آپ کی تصدیق کے ساتھ ساتھ نصرت کا بھی وعدہ کیا ہے، گویا بغیر کسی کاوش کے آپ کی نبوت کا اعلان اور لوگوں میں چرچا ہو گیا۔[27]

(۵) پہاڑ سے گرا دینے کا صحیح محمل:

حافظ ابن حجر نے کتاب التعبیر میں اس حدیث کی شرح کے تحت محدثین پر اعتراض کرنے والوں کا یہ اعتراض نقل کیا ہے کہ یہ کیسے ممکن ہے کہ نبی ﷺ کو اپنی نبوت میں شک ہو، تا آنکہ ورقہ کے پاس جانے کی ضرورت پڑے اور حضرت خدیجہ کے سامنے اپنی تکلیف بیان کرنے کی حاجت ہو۔ اسی طرح پہاڑ سے اپنے آپ کو گرانے کی خواہش پیدا ہو جائے۔

امام ابو بکر اسماعیل نے اس کا جواب یہ دیا ہے کہ عادۃ اللہ یہ جاری ہے کہ جب بھی کسی عظیم الشان چیز کو مخلوق تک پہنچانے کا ارادہ ہوتا ہے تو اس کے لیے مقدمات اور تمہیدات کا انتظام ہوتا ہے، چنانچہ حضور اکرم ﷺ جو کچھ رویائے صالحہ دیکھتے تھے اور پھر آپ کے اندر خلوت کی محبت پیدا ہوئی تھی اور اس میں عبادت کا شوق پیدا ہوا یہ سب امور اسی مقدمہ اور تمہید کی قبیل سے تھے۔ پھر جب اچانک فرشتہ آ پہنچا، خلاف عادت اور غیر مانوس طور پر غار حرا کا واقعہ پیش آیا تو آپ ﷺ کو بتقاضائے بشریت گھبراہٹ ہوئی، لہذا اس پر تعجب کی کوئی بات نہیں چنانچہ بعد میں آپ کی یہ گھبراہٹ آہستہ آہستہ زائل ہو گئی، اس کے بعد حضرت خدیجہ کو جو آپ کی غمخوار و غمگسار تھیں سارا واقعہ سنایا انہوں نے تسلی دی، اور اپنی تسلی کی تائید میں وہ آپ ﷺ کو ورقہ کے پاس لے گئیں، ورقہ نے حالات سن کر آپ ﷺ پر مکمل یقین کر لیا اور آپ ﷺ کی نبوت کا اعتراف کیا۔ یہاں امام اسماعیلی کا جملہ حافظ نے نقل کیا ہے "فلما سمع كلامه أيقن بالحق و اعترف به" یعنی جب ورقہ نے آپ ﷺ کی باتیں سنیں تو حق کا یقین کر لیا اور اس کا اقرار کیا۔[28]

سمجھنے کی بات یہ ہے کہ امام اسماعیلی معترضین کے اس اعتراض کو رد کر رہے ہیں کہ آپ کو اپنی نبوت کے بارے میں کچھ شک اسماعیل تردد تھا اور یہ فرما رہے ہیں کہ آپ کو خوف ضرور لاحق ہوا تھا لیکن یہ خوف شک اور تردد کی بنا پر نہیں تھا (جیسا کہ معترضین نے سمجھا بلکہ امر عظیم کے اچانک آپڑنے کی وجہ سے تھا۔

حقیقت یہ ہے کہ حضور اکرم ﷺ کو اول ہی میں علم اور یقین حاصل ہو گیا تھا کہ آپ کو نبوت و رسالت سے سرفراز کیا جا رہا ہے اور یہ کہ یہ آنے والا اللہ کا فرشتہ ہے۔ ورقہ کے کلام سے آپ کو اپنی نبوت کا یقین نہیں ہوا بلکہ آپ کے حالات و واقعات کو سن کر ورقہ نے آپ کی نبوت و رسالت کی تصدیق کی ہے کیونکہ ورقہ تورات و انجیل کے عالم تھے اور علامات نبوت سے واقف تھے۔[29]

علامہ سندھی فرماتے ہیں کہ حقیقت یہ ہے کہ حضور اکرم ﷺ کو شک ہوا ہی نہیں، کیونکہ فرشتہ سے ملاقات ہو جانے اور وحی الٰہی کے آجانے کے بعد شک و شبہ کی گنجائش ہی نہیں رہتی، ہاں! یہ ہو سکتا ہے کہ وحی مکمل نازل ہونے سے پیشتر بعض چیزوں میں شبہ پیدا ہوا ہو خصوصاً جب کہ فرشتہ اچانک آیا تھا لیکن وحی کے مکمل ہونے کے بعد پھر کسی قسم کا شک و شبہ نہیں رہ سکتا۔ البتہ یہ ممکن ہے کہ نبی کریم ﷺ نے اپنے ابتدائی حال کو جب کہ آپ کو اپنی نبوت کا تحقق نہیں ہوا تھا حضرت

---

[27] سلیم اللہ خان، شیخ الحدیث، کشف الباری شرح صحیح بخاری، باب بدء الوحی :(۱/۳۹۳)

[28] ابن حجر، فتح الباری، کتاب التعبیر:(۱۲/۳۶۰)

[29] کاندھلوی، ادریس کاندھلوی: سیرۃ المصطفی: (۱/۱۴۰)

ISSN Online : 2709-4030
ISSN Print : 2709-4022
Vol.7 No.3 2023

خدیجہ سے اس طرح بیان کیا ہو گویا اس وقت بھی شک ہے اور یہ طرز آپ علیہ السلام نے اس لیے اختیار کیا تا کہ حضرت خدیجہ کی ہمدردی آپ کے ساتھ ہو جائے، کیونکہ ہو سکتا ہے اگر آپ علیہ السلام اس وقت کہہ دیتے کہ میں اللہ کا نبی ہوں، اللہ کا فرشتہ میرے پاس آیا تھا تو حضرت خدیجہ انکار کر بیٹھتیں اور انکار کے بعد اقرار دشوار ہو جاتا۔[30]

پھر کتاب التعبیر ہی میں امام بخاری نے اس حدیث کے آخر میں فترت وحی کے واقعہ کا ذکر کیا ہے اور اس میں آیا ہے کہ حضور اکرم ﷺ اس قدر پریشان ہو گئے تھے کہ آپ نے اپنے آپ کو پہاڑوں کی چوٹیوں سے گرانے کا ارادہ کیا تو حضرت جبریل امین نے آکر آپ ﷺ کو تسلی دی تو آپ ﷺ رک گئے۔

حدیث کے اس ٹکڑے کے بارے میں یہ احتمال بھی ہے کہ یہ متصل ہو اور یہ بھی احتمال ہے کہ یہ امام زہری کے بلاغات میں سے ہو۔ بہر صورت اس ٹکڑے کے اندر کوئی ایسی بات نہیں ہے جس سے یہ معلوم ہو کہ آپ ﷺ کو اپنی نبوت میں شک تھا اس وجہ سے آپ ﷺ مضطرب ہو کر اپنے آپ کو پہاڑ سے گرانا چاہتے تھے اور فرشتے نے اس شک کو دور کیا ہو۔

حقیقت یہ ہے کہ اس عبارت سے حضور اکرم ﷺ کا اضطراب ضرور ظاہر ہوتا ہے لیکن یہ اضطراب نبوت میں کسی قسم کے شک و تردد کی بنا پر ہر گز نہیں تھا بلکہ یہ تو فترت و انقطاع وحی کی بنا پر تھا جس پر حدیث کی عبارت بالکل واضح ہے۔

وفتر الوحی فترة حتی حزن النبي فیما بلغنا حزنا غدامنه مرارا کی یتردی من رؤس شواهق الجبال.....[31]

آپ کے شدت انفعال اور تاثر کی یہ وجہ بھی ممکن ہے کہ آپ ﷺ کو یہ خیال پیدا ہوا کہ اگر میری قوم نے مجھ کو نکال دیا تو ہدایت اور ایمان کی دولت سے محروم ہو جائے گی، آپ ﷺ کو ان کی ہدایت سے محرومی پر تاثر ہوا۔ اور یہ بھی ہو سکتا ہے کہ دونوں ہی چیزیں موجب تاثر ہوں۔ نیز بعض حضرات نے یہ بھی فرمایا ہے کہ اس وقت تک اس سلسلے میں احکامات الہیہ نازل نہیں ہوئے تھے اس لیے انقطاع وحی کی وجہ اس وقت پہاڑ سے گرانے کا خیال مقام نبوت کے منافی نہیں۔[32]

مصادر اور مراجع

1. القرآن الکریم
2. ابن حجر عسقلانی، احمد بن علی، فتح الباری، قدیمی کتب خانہ کراچی (طبع جدید)
3. ابن ہشام، السیرۃ النبویۃ، دار الکتب العلمیۃ، بیروت۔
4. بخاری، محمد بن اسماعیل، الجامع الصحیح، دار السلام، ریاض ۱۹۹۹ء، قدیمی کتب خانہ کراچی، مکتبہ رحمانیہ اردو بازار لاہور۔
5. سلیم اللہ خان، مولانا، کشف الباری، مکتبہ فاروقیہ، کراچی۔

[30] سندھی، علامہ، حاشیہ السندی علی البخاری: (۱/۱۱)

[31] البخاری، محمد بن اسماعیل، صحیح البخاری، کتاب التعبیر۔

[32] ابن حجر، فتح الباری، کتاب التغیر: (۱۲/۳۵۹)

6. طیبی، الکاشف عن حقائق السنن، ادارۃ القرآن والعلوم الاسلامیہ، کراچی۔
7. کشمیری، علامہ انور شاہ، انوار الباری، ادارہ، تالیفات اشرفیہ، ملتان۔
8. کاندھلوی، مولانا محمد ادریس، سیرۃ المصطفی ﷺ، ادارۃ المعارف کراچی طبع جدید، جون ۲۰۱۶ء۔
9. الخطابی، اعلام الحدیث، دار المعرفۃ بیروت۔
10. سندھی، علامہ، حاشیہ السندی علی البخاری۔
11. تمنا عمادی، زہری اور طبری تصویر کا دوسرا رخ
12. مضمون آغاز وحی کی روایت از مولانا جعفر شاہ پھلواری.